عہدِ جہانگیری کی ایک اہم تصنیف

دستور المفسرین کا ایک تعارفی مطالعہ*

ظفر الاسلام اصلاحی

علم تفسیر کو جملہ علوم وفنون پر فضیلت وفوقیت حاصل ہے اسی لیے اسے اشرف العلوم کہا جاتا ہے۔ اس کے شرف وفضل کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اس کا تعلق اس عظیم کتاب سے ہے جو سراپا ہدایت اور سارے انسانوں کے لیے بے مثال نسخۂ کیمیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس علم میں اسلامی تاریخ کے ہر دَور میں دلچسپی لی گئی اور علمی حلقوں میں قرآنی علوم کو ایک خاص مقبولیت حاصل ہوئی جو کسی دوسرے علم کے حصہ میں نہ آئی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا عہد حکومت بھی اس باب میں کوئی استثناء نہیں رکھتا۔ اس سے قبل اسی مجلہ میں شائع شدہ چار مقالوں میں تفسیر ومتعلقہ فنون میں اُس عہد کی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا چکا ہے[1]۔ اِن مقالات میں پیش کی گئی تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قرآنی علوم کے میدان میں معاصر علماء کی کاوشیں صرف تفسیر کی قدیم کتابوں کی شرح وحواشی تک محدود نہیں تھیں بلکہ عربی وفارسی میں مختصر ومبسوط اور مکمل وجزئی تفاسیر بھی ان کی علمی یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ نفس فنِ تفسیر ومتعلقہ علوم (تاریخ نزول قرآن، جمع وتدوین قرآن، اعراب ورسم الخط، شان نزول، ناسخ ومنسوخ، نظم قرآن واحکام قرآن) سے متعلق بھی ان کی تصانیف وتالیفات ملتی ہیں۔ زیر مطالعہ کتاب "دستور المفسرین" علم تفسیر کے بعض اہم پہلوؤں

---

* یہ مضمون خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری (پٹنہ) کے زیر اہتمام "قرآنیات کے اہم مخطوطات" کے موضوع پر ۲۲-۲۶ فروری ۱۹۹۰ء کو منعقدہ سیمینار میں پیش کیا گیا تھا۔ یہاں اسے بعد ترمیم واضافہ شائع کیا جا رہا ہے۔

سے متعلق ایک عربی تصنیف ہے جو عہد جہانگیری (۱۶۰۵-۱۶۲۷ء) کی یادگار ہے۔

دستور المفسرین ۳۰ اوراق پر مشتمل ایک عربی رسالہ ہے جو ابھی شایع نہیں ہو سکا ہے۔ اس کا مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کے شعبۂ مخطوطات میں ذخیرۂ عبدالحئی میں نمبر ۱۸/۴۱ کے تحت محفوظ ہے[۵۹]۔ یہ مخطوطہ نسخ میں لکھا ہوا ہے اور متفرق مقامات پر کرم خوردہ ہے۔ اس میں کتابت کی متعدد غلطیاں پائی جاتی ہیں حتیٰ کہ بعض جگہوں پر آیات کے نقل میں بھی صحت کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں مختلف اوراق بے ترتیب مجلد ہو گئے ہیں[۶۰]۔ ان سب خامیوں کے باوجود یہ نسخہ اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ اب تک کی تحقیق کے مطابق یہ دستور المفسرین کا واحد دستیاب قلمی نسخہ ہے۔ CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITERATURE کے مصنف ڈاکٹر زبید احمد نے اسے غیر دستیاب و معدوم کتابوں کے زمرہ میں شامل کیا ہے اور غلطی سے اس کا نام "دستور المصنفین" درج کیا ہے[۶۱]۔ مولانا آزاد لائبریری کا یہ نسخہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ یہ مصنف کے ذاتی نسخہ سے نقل کیا گیا ہے اور اس کے سنِ کتابت (۱۰۲۷ھ) اور سنِ تصنیف (۱۰۲۱ھ) میں صرف ۶ سال کا فرق پایا جاتا ہے۔ اس طرح اس نسخہ کو مصنف کے عہد سے قریب ترین قرار دیا جا سکتا ہے۔

پیشِ نظر کتاب کے مصنف عماد الدین محمد عارف عبدالنبی بن سراج الدین شیخ عبداللہ الصوفی ہیں جو عام طور پر شیخ عبدالنبی شطاری کے نام سے معروف ہیں۔ خود اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ نسباً عثمانی، صوفی مشرب کے اعتبار سے شطاری[۶۲] اور فقہی مسلک کے لحاظ سے حنفی ہیں[۶۳]۔ ان کا آبائی وطن سندیلہ تھا، ان کے والد شیخ عبداللہ بن شیخ بہلول شطاری ۹۸۳ھ/ ۱۵۷۵ء میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ آگرہ منتقل ہوئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی اسی لیے شیخ عبدالنبی کے نام کے ساتھ "السندیلوی ثم الاکبرآبادی" لکھا جاتا ہے[۶۴]۔ علوم و فنون کے میدان میں وہ اپنے والد سے فیضیاب ہوئے اور تصوف کی دنیا میں بھی انہی سے تربیت حاصل کی۔ انھوں نے اپنی ایک دوسری کتاب فوائح الانوار (شرح لوائح الاسرار ملا جامی) میں اپنے والد کے ذکر میں "ابونا" (ہمارے والد) کے ساتھ "شیخنا و مرشدنا" کے القاب بھی استعمال کیے ہیں[۶۵]۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں اور مصنفین نے دونوں میں باپ و بیٹے کے رشتہ کے ذکر کے بجائے

صرف مرشد و مرید یا استاد و شاگرد کے تعلق کو ظاہر کیا ہے[۱۰]۔ شیخ عبدالنبی کے بارے میں معاصر مآخذ سے تفصیلات نہیں ملتیں۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے کچھ معلومات فراہم کی ہیں اور ان کی تصانیف و تالیفات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ مختلف علوم و فنون بالخصوص تفسیر، حدیث، فقہ و تصوف میں دلچسپی رکھتے تھے۔ شروح و حواشی اور مختصر رسائل سمیت تقریباً چالیس کتابیں ان سے منسوب ہیں۔ ان میں بیشتر کتابیں تصوف کے مباحث سے تعلق رکھتی ہیں[۱۱]۔ علم قرآن سے متعلق ان کی خاص تصنیف "دستور المفسرین" ہے۔ آیات متشابہات کے موضوع پر بھی وہ ایک رسالہ لکھنا چاہتے تھے جیسا کہ خود انھوں نے مذکورہ کتاب کے آخر میں ذکر کیا ہے[۱۲]۔ لیکن غالباً عمر نے وفا نہ کی اور وہ اس ارادہ کو پایۂ تکمیل تک نہ پہونچا سکے۔ حدیث سے متعلق کچھ مختصر رسائل (شرح حدیث "الصلوٰۃ معراج المومنین"، شرح حدیث "کنت کنزاً مخفیاً" شرح حدیث "خیر الاسماء عبداللہ وعبدالرحمن") کے علاوہ مشکوٰۃ المصابیح کی شرح (ذریعۃ النجاۃ فی شرح المشکوٰۃ) بھی ان کی ایک اہم علمی یادگار ہے[۱۳]۔ یہاں یہ وضاحت اہمیت سے خالی نہ ہوگی کہ شیخ عبدالنبی کی کتابوں کی فہرست ان کی ایک تالیف "فواتح الانوار شرح لوائح الاسرار" کے قلمی نسخہ پر ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ملتی ہے۔ جیسا کہ سید عبدالحئی فرنگی محلی (مصنف طرب الاماثل بتراجم الافاضل) نے ذکر کیا ہے[۱۴]۔ ان سب کے باوجود صاحب دستور المفسرین کی تاریخ وفات کی کوئی قطعی شہادت نہیں مل سکی ہے۔ پروفیسر محمد سالم قدوائی نے اپنی کتاب "ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں" میں اور ڈاکٹر محمد اسحاق نے "علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ" میں شیخ عبدالنبی کے تذکرہ میں ان کی تاریخ وفات پہلے بالترتیب ۱۰۲۰ھ و ۱۰۳۰ھ درج کی ہے لیکن بعد میں پھر ان کے یہاں اس حقیقت کا اعتراف ملتا ہے کہ ان کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی[۱۵]۔ بہر حال یہ طے شدہ ہے کہ وہ ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) میں باحیات تھے اس لیے کہ یہی دستور المفسرین کا سن تصنیف ہے[۱۶]۔ اس لحاظ سے وہ مغل بادشاہ اکبر و جہانگیر دونوں کے معاصر قرار دیے جاسکتے ہیں۔

معاصر بادشاہوں سے شیخ عبدالنبی کے کسی تعلق یا راہ و رسم کا ذکر نہیں ملتا لیکن عبدالرحیم خان خاناں (م ۱۶۲۷ء) اور ان کے مابین کچھ تعلقات کا ثبوت اس بات سے فراہم ہوتا ہے کہ انھوں نے دستور المفسرین کو انھیں کے نام معنون کیا ہے اور اس کی ابتدا میں حمد و صلوٰۃ کے بعد ایک ورق سے

زیادہ خانخاناں کی تعریف و توصیف کے لیے وقف کیا ہے اور ان کے لیے "والی اقالیم الفضل والکرم، مالک دیوان الممالک شرقاً و غرباً، معز العلماء والفضلاء، وحید العصر، فرید الزماں، صاحب السیف و القلم، معدن الجود و منبع الکرم، جامع العلم و العرفان" جیسے القاب استعمال کیے ہیں[۵۷]۔ یہاں یہ وضاحت برمحل معلوم ہوتی ہے کہ عبدالرحیم خانخاناں عہد اکبری کے علماء میں اپنی امتیازی حیثیت، دربار شاہی میں سیاسی اثر و رسوخ کے علاوہ علوم و فنون میں گہری دلچسپی اور اہل علم کی قدردانی و حوصلہ افزائی کے لیے بھی معروف تھے جیسا کہ شیخ عبدالنبی کے تاثرات سے بھی ظاہر ہوتا ہے[۵۸]۔ دستور المفسرین کے علاوہ سورۃ الکوثر کی ایک تفسیر (مصنفہ ابوالعصمت محمد معصوم سمرقندی) کے بھی اس مربی علم کے نام معنون کیے جانے کا ذکر ملتا ہے[۵۹]۔

زیر مطالعہ کتاب (دستور المفسرین) کے نام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اصول تفسیر کے مختلف مسائل زیر بحث آئے ہوں گے لیکن یہ اول تا آخر قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کے مباحث سے تعلق رکھتی ہے۔ غالباً اسی وجہ سے بعض تذکرہ نگاروں نے اس کا نام "رسالہ ناسخ و منسوخ مسمّٰی بدستور المفسرین" تحریر کیا ہے[۶۰]۔ اس میں شبہ نہیں کہ علم تفسیر میں نسخ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور ایک مفسر کے لیے اس سے گہری واقفیت ضروری تصور کی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ قرآن و حدیث دونوں میں نسخ واقع ہوا ہے اور ان بنیادی مآخذ سے مسائل کے استنباط کے لیے اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر گہری نظر درکار ہوتی ہے لیکن علم ناسخ و منسوخ کی اس اہمیت کے باوجود اس سے متعلق مباحث کی بنیاد پر پوری کتاب کو "دستور المفسرین" کے نام سے موسوم کرنا کچھ بہت زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتا، اس سے بہرحال یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ عبدالنبی تفسیر سے متعلق علوم میں علم نسخ کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے۔

فن تفسیر یا قرآنی علوم کے ضمن میں ناسخ و منسوخ کے مسائل پر مختلف کتابوں میں جو اظہار خیال کیا گیا ہے ان سے قطع نظر اس موضوع پر متعدد مستقل تصانیف بھی ملتی ہیں۔ ان میں یہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں: کتاب الناسخ والمنسوخ فی کتاب اللہ تعالیٰ (قتادہ بن دعامہ السدوسی م ۱۱۷ھ)، الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم (ابو عبید القاسم بن سلام م ۲۲۴ھ) الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم (محمد بن حزم الاندلسی م ۳۲۰ھ)، الناسخ والمنسوخ (ابوجعفر احمد بن محمد نحاس م ۳۳۸ھ)، الناسخ

والمنسوخ فی القرآن (ہبۃ اللہ بن سلامہ بغدادی م ۴۱۰ھ) الایضاح لناسخ القرآن ومنسوخہ (ابو محمد مکی بن ابی طالب م ۴۳۷ھ)، الناسخ والمنسوخ فی القرآن (قاضی ابوبکر بن العربی م ۵۴۳ھ)، نواسخ القرآن (ابوالفرج عبدالرحمن بن الجوزی م ۵۹۷ھ) الایجاز فی معرفۃ ما فی القرآن من منسوخ وناسخ (ابوعبداللہ محمد بن برکات السعدی) عہد وسطیٰ کے ہندوستانی علماء نے بھی قرآنی علوم سے متعلق مباحث میں نسخ کے مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے لیکن شیخ عبدالنبی سے پہلے کسی ایسے ہندوستانی عالم کا سراغ نہیں مل پایا ہے جس نے اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب لکھی ہو۔ بعد کے دور میں نواب صدیق حسن خاں نے فارسی میں اور سخاوت علی جونپوری نے اردو میں اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں جو بالترتیب افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ اور الناسخ والمنسوخ کے نام سے معروف ہوئیں۔ اس موضوع میں اہل علم کی دلچسپی کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ بعض نے اس کے مباحث کو اشعار کے قالب میں پیش کیا جیسا کہ سبیل الرسوخ فی علم الناسخ والمنسوخ کے نام سے عبدالکریم ٹونکی کی ایک عربی منظوم تالیف بھی ملتی ہے[۲۱]۔ اسی موضوع پر ممتاز مفسر و ماہر قرآنیات مولانا حمیدالدین فراہی (م ۱۹۳۰ء) کا ایک مختصر غیر مطبوعہ عربی رسالہ۔ الرسوخ فی الناسخ و المنسوخ۔ بھی دستیاب ہے[۲۲]۔

جہاں تک دستور المفسرین کے مآخذ کا تعلق ہے مصنف نے اس کے مقدمہ میں خود یہ صراحت کی ہے کہ انہوں نے قدماء ومتاخرین کی متعدد کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ کتاب کے متن میں خاص طور سے ابوجعفر النحاس، مکی بن ابی طالب، ابن حبیب نیشاپوری، ابومسلم اصفہانی، ابن الحصار، قاضی ابن العربی، ابن الحاجب، ابن عطیہ اور جلال الدین السیوطی کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ ان سب میں سب سے زیادہ ابن العربی اور السیوطی کا حوالہ ملتا ہے۔ بعض مقامات پر سیوطی کی کتاب (الاتقان فی علوم القرآن) سے عبارت بغیر اس کے حوالہ کے نقل کی گئی ہے جیسا کہ ورق ۶ اور ۷ اب پر دیکھا جاسکتا ہے[۲۳]۔ امام سیوطی کی کتاب سے کثرت استفادہ کے باوجود شیخ عبدالنبی نے ان سے بعض مسائل میں اختلاف بھی کیا ہے جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔

دستور المفسرین میں بحث کا آغاز کرتے ہوئے شیخ عبدالنبی نے حمد وصلوٰۃ کے بعد سب سے پہلے علم تفسیر کی فضیلت اور اس باب میں علم ناسخ ومنسوخ کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ علم تفسیر کو

مخزن العلوم اور کنز الشرائع قرار دیتے ہوئے یہ وضاحت بھی ہے کہ تفسیر یا قرآن کریم کے معنی و مفہوم کی تعیین میں علم ناسخ و منسوخ کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ مزید برآں بعض روایات کی روشنی میں انھوں نے اس پر خاص زور دیا ہے کہ اس علم میں مہارت کے بغیر قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنا اور مختلف مسائل و معاملات کی وضاحت کرتے ہوئے آیات سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس ضمن میں مصنف نے خاص طور سے اس روایت کو پیش کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے کوفہ کی مسجد میں ایک شخص کو اپنے وعظ میں قرآن کا معنی و مطلب بیان کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے دریافت کیا کہ کیا وہ ناسخ و منسوخ سے واقف ہے اس کا جواب نفی میں پاکر حضرت علیؓ نے اس پر ان الفاظ میں نکیر ظاہر کی کہ تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔[۲۴] شیخ عبد النبی نے اس ضمن میں دو روایتیں نقل کی ہیں ایک کے مطابق یہ واقعہ ابو یحییٰ عبد الرحمٰن کے ساتھ پیش آیا جب کہ دوسری میں واعظ کی حیثیت سے کعب الاحبار کا نام ملتا ہے۔[۲۵] اسی ضمن میں مصنف نے حضرت حذیفہ بن الیمان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ وعظ و نصیحت کہے اور قرآن کی تفسیر بیان کرے الا آنکہ وہ ناسخ و منسوخ کا عالم ہو تاکہ وہ حلال و حرام میں تمیز کر سکے اور واجب و جائز کا فرق بیان کر سکے۔[۲۶]

مباحث کے اعتبار سے دستور المفسرین کو موٹے طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے حصے میں مسئلہ نسخ اور ناسخ و منسوخ آیات کے بارے میں اختلافِ آراء کا جائزہ لیا گیا ہے اور مختلف حیثیتوں سے ناسخ و منسوخ آیات کی اقسام اور متعلقہ مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے حصہ میں قرآن کریم کی تمام سورتوں کو ان کی ترتیب کے اعتبار سے فرداً فرداً ذکر کرکے ناسخ و منسوخ کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کی حیثیت سے ان پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ان تمام مسائل سے متعلق دستور المفسرین کے مباحث کا خاص پہلو یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے تو مصنف نے اس کی صراحت کی ہے اور اپنے موقف کے موافق و مخالف دونوں کے اقوال

ان کے دلائل کے ساتھ پیش کیے ہیں اور آخر میں اپنی جوابی دلیل سے اسے مزید واضح کیا ہے ان کے مباحث کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اپنے نقطہ نظر کی تائید میں انھوں نے نقلی وعقلی دونوں طرز استدلال اختیار کیے ہیں۔ اختلافی مسائل میں فقہا کی رایوں کا ذکر کرتے ہوئے شیخ عبدالنبی نے خاص طور سے حنفی وشافعی مسلک کی وضاحت کی ہے۔ فقہ حنفی تو ان کا مسلک تھا اور شافعی علمار کی رایوں کو جگہ جگہ ظاہر کرنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے مباحث زیادہ تر سیوطی کی کتاب الاتقان فی علوم القرآن سے مستفاد ہیں۔ مزید برآں اس کتاب میں بعض مقامات پر معتزلہ واشاعرہ کی آرار بھی بیان کی گئی ہیں، مصنف نے اپنے مباحث کے اہم نکات بالخصوص اپنی آرار و دلائل "تنبیہ" کی ذیلی سرخی کے تحت پیش کیے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی انداز امام سیوطی کے یہاں بھی ملتا ہے۔

نسخ فی القرآن کے مسئلہ پر اپنی بحث کا آغاز کرتے ہوئے مصنف نے پہلے نسخ کی لغوی و اصطلاحی تشریح کی ہے اور یہ رائے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں نسخ کے جواز اور اس کے وقوع پر امت کا اجماع ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے قرآنی احکام کی تنسیخ کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں اور قدمار کے اقوال سے استشہاد کیا ہے[۲۷]۔ یہاں یہ وضاحت بے موقع نہ ہوگی کہ معتزلہ علمار بالخصوص ابومسلم اصفہانی نسخ کو ایک عیب تصور کرتے ہوئے قرآن کریم میں اس کے وقوع کو محال قرار دیتے ہیں[۲۸]۔ جہاں تک نسخ کا مفہوم، اس کی نوعیت اور قرآن کریم میں اس کے محل وقوع کا تعلق ہے اس باب میں علمار متقدمین و متاخرین میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ متقدمین اس لفظ کو بہت وسیع مفہوم میں استعمال کرتے تھے یہاں تک کہ کسی عام حکم کی تخصیص اور مطلق کی تقیید کی صورتیں بھی ان کے ہاں نسخ کے دائرہ میں شامل تھیں اسی لیے وہ کثیر تعداد میں آیتوں کو منسوخ شمار کرتے تھے یہاں تک بعض کے نزدیک اس نوع کی آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ہے۔ متاخرین کے نزدیک نسخ کا اطلاق صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب کوئی سابق حکم بالکلیہ اٹھالیا جائے اور اس کی جگہ کوئی نیا حکم نازل ہو، جیسا کہ خود اس آیت سے یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ　　ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا

بِخَیرٍ مِنہَا اور مِثلِہَا   بھلادیتے ہیں اس کی جگہ اس سے بہتر

(البقرہ : ۱۰۶)   لاتے ہیں یا کم از کم ویسی ہی۔

اسی مفہوم کے پیش نظر متاخرین کے نزدیک چند ہی آیتیں منسوخ کے زمرہ میں شامل ہیں علامہ سیوطی نے آیات منسوخہ کی تعداد ۲۰ اور امام زرکشی نے ۱۳ بتائی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ صرف پانچ آیتوں کے نسخ کے قایل ہیں[۹۲] یہی رائے زیادہ متوازن ہے اور بعد کے دور کے علمار میں اسی کو مقبولیت حاصل ہوئی، دستورالمفسرین کے مصنف متقدمین کے موقف سے متاثر نظر آتے ہیں جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔ بعض جدید اسکالرس نے شیخ عبدالنبی سے یہ رائے منسوب کی ہے کہ ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد ۱۱۳ ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے دراصل انھوں نے ایک جگہ بعض علمار کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صرف آیت سیف نے ۱۱۳ آیتوں کو منسوخ کیا اسی سے شیخ عبدالنبی کی بابت یہ اشتباہ پیدا ہوا کہ ان کی بھی یہی رائے ہے[۹۳]

نسخ کی مختلف اقسام کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ عبدالنبی نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے کہ نسخ کن چیزوں (یا کس طرح کی آیتوں) میں واقع ہوا ہے اس ضمن میں انھوں نے تین اقوال نقل کیے ہیں: (الف) صرف امر و نہی میں۔ (ب) امر و نہی کے علاوہ ان اخبار میں بھی جو امر و نہی کے معنی میں ہیں (ج) امر و نہی اور مطلق اخبار میں مصنف نے پہلا قول مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر اور عکرمہ بن عمار سے منسوب کیا ہے اور خود انھوں نے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے اور ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جنھوں نے خبر، اور وعدہ و وعید ظاہر کرنے والی متعدد آیات کو منسوخ کے زمرہ میں شامل کرلیا ہے۔ یہاں انھوں نے اشاعرہ و معتزلہ کا موقف بھی واضح کیا ہے اول الذکر خبر والی آیات میں بھی نسخ کے جواز کے قایل ہیں جب کہ موخرالذکر اس کو جائز نہیں سمجھتے۔[۹۴] علامہ زرکشی کے بیان کے مطابق جمہور علمار صرف امر و نہی میں نسخ کے قایل ہیں[۹۵]

نسخ کے اقسام کی وضاحت میں شیخ عبدالنبی نے نہایت شرح و بسط سے کام لیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس کی قسمیں بیان کی ہیں۔ حکم منسوخ کی نوعیت کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو بجا آوری سے قبل منسوخ کر دیا گیا (مثلاً آیت نجویٰ)، دوسرے وہ جو نبی آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دوسری شریعتوں میں

معمول بہ تھا (بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی جانب تحویل قبلہ یا عاشورہ کے بجائے رمضان کے روزے فرض ہونا)۔ تیسرے وہ حکم جو کسی سبب سے عاید کیا گیا تھا اور اس کے زائل ہونے کی صورت میں اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا (مثال کے طور پر جب مسلمانوں کی کمزوری اور تعداد کی کمی کا عذر جاتا رہا تو صبر و عفو کے بجائے قتال کا حکم دیا گیا) امام سیوطی سے اتفاق کرتے ہوئے شیخ عبد النبی تیسری قسم کے نسخ کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے انساء[۵۰] کے قبیل سے شمار کرتے ہیں[۵۱]۔ نسخ کی دوسری تقسیم ناسخ کی نوعیت کے اعتبار سے قایم کی گئی ہے اول وہ جس میں ناسخ نے کسی فرض کو اس طور پر منسوخ کیا کہ حکم اول پر عمل ناجائز قرار پایا (جیسے زانی کو قید کرنے کی سزا اس پر حد جاری ہونے کے حکم سے منسوخ ہوئی) دوسرے وہ جس میں ناسخ نے کسی امر مستحب کو منسوخ کیا (فرضیت جہاد کی آیت) چوتھے وہ جس میں امر مندوب سے کوئی فرض منسوخ ہوا (قیام لیل (نماز تہجد) کا قرارت کے حکم سے منسوخ ہونا)[۵۲]

شیخ عبد النبی نے نسخ کی تیسری قسم آیات منسوخہ کی نوعیت کے اعتبار سے بیان کی ہے اور اس ضمن میں آیات منسوخہ کی تین تقسیم قایم کی گئی ہے اول وہ جن کی تلاوت اور ان میں بیان کیا گیا حکم دونوں منسوخ ہوئے (منسوخ التلاوۃ والحکم)۔ دوم وہ جن میں بیان کیا گیا حکم منسوخ ہو گیا لیکن ان کی تلاوت باقی ہے (منسوخ الحکم دون التلاوۃ) سوم وہ جن کا حکم باقی رکھا گیا لیکن تلاوت منسوخ ہو گئی (منسوخ التلاوۃ دون الحکم)۔ مصنف کی رائے میں قرآن میں ۶۳ سورتیں ایسی ہیں جن میں دوسری قسم کے نسخ کی آیات پائی جاتی ہیں[۵۳]۔ ابن سلام اور امام زرکشی کا بھی یہی موقف ہے[۵۴]۔ علامہ سیوطی نے نسخ کی اس معروف قسم پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس قسم کی آیتوں کے بارے میں واضح طور پر لکھا ہے کہ یہ بہت کم ہیں (قلیلٌ جدّا) اور ۲۰، ۲۱ سے زیادہ نہیں ہو سکتیں[۵۵]۔ درحقیقت نسخ کی یہی وہ سب سے معروف قسم ہے جس پر علماء کا اتفاق پایا جاتا ہے اور جس سے متعلق فن تفسیر اور قرآنی علوم کی کتابوں میں عام طور پر بحث ملتی ہے۔ باقی اور اقسام مختلف فیہ ہیں اور علماء کی اکثریت انھیں تسلیم بھی نہیں کرتی[۵۶]۔ خود شیخ عبد النبی نے قاضی ابو بکر کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ علماء کی ایک جماعت نسخ کی پہلی قسم (منسوخ التلاوۃ والحکم) کی منکر ہے۔ اس لیے کہ یہ خبرِ آحاد پر مبنی ہے اور ایسی خبر کی بنیاد پر

کسی آیت کے نزول یا نسخ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا[۱۴۸] دلچسپ بات یہ کہ اس ضمن میں شیخ عبدالنبی نے امام سیوطی کا حوالہ دیے بغیر ان کی کتاب کی عبارت نقل کی ہے[۱۴۹]

شیخ عبدالنبی نے نسخ کی ایک اور تقسیم قائم کی ہے اور وہ ناسخ و منسوخ (حکم) کے خفیف یا ثقیل (ہلکے یا بھاری) ہونے کے اعتبار سے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے چار قسمیں مع امثلہ بیان کی ہیں۔ اول یہ کہ حکم ناسخ منسوخ شدہ حکم سے زیادہ بھاری یا مشکل ہو (مثلاً وجوبِ صوم رمضان سے روزہ وفدیہ کے مابین اختیار کا منسوخ ہونا) مصنف کی تصریح کے مطابق جمہور اس قسم کے نسخ کے جواز کے قائل ہیں جب کہ بعض شافعیہ اس کو صحیح نہیں سمجھتے۔ عدم جواز کے قایلین کی خاص دلیل یہ ہے کہ یہ مصلحت کے خلاف ہے اور قرآن کریم کی اس آیت سے بھی اس کی نفی ہوتی ہے:

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ: ۱۸۵) (اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا)

دوسرے یہ کہ نیا حکم منسوخ سے ہلکا ہو (مثلاً مسلمان پہلے جہاد میں مخالفین کی دس گنا تعداد سے مقابلہ کے لیے مکلف تھے بعد میں ان کے لیے صرف دوگنی تعداد سے مقابلہ کرنا ضروری رہ گیا)۔ تیسرے یہ کہ ناسخ و منسوخ حکم ایک ہی جیسے ہوں اور نوعیت کے اعتبار سے ان میں کوئی خاص فرق نہ ہو۔ (مثلاً بیت المقدس کے قبلہ کو منسوخ کر کے خانۂ کعبہ کو قبلہ قرار دینا) چوتھے یہ کہ منسوخ شدہ حکم کا کوئی بدل نہ مقرر کیا گیا ہو[۱۵۰] ان چاروں قسموں میں سے قسم اول پر شیخ عبدالنبی نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس سے متعلق دونوں نقطہ نظر (جواز و عدم جواز) کو واضح کرتے ہوئے ان کے حاملین کے دلائل کا تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔ چوتھی قسم کے بارے میں انھوں نے یہ صراحت کی ہے کہ جمہور اس کے جواز کے قایل ہیں جبکہ بعض علماء اسے صحیح نہیں تسلیم کرتے۔ یہاں یہ صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ علامہ سیوطی کے یہاں نسخ کی اس قسم کا ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی امام زرکشی نے یہ تقسیم قائم کی ہے۔

نسخ سے متعلق ایک اہم بحث قرآن و سنت کا ایک دوسرے کا ناسخ و منسوخ بننا ہے۔ اس موضوع پر تمام کتابوں میں یہ بحث ملتی ہے۔ دستور المفسرین کے مصنف نے بھی اس مسئلہ

پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور قدما کے افکار و آرا کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے اس سلسلہ میں بھی چار قسمیں بیان کی ہیں: (الف) قرآن کا نسخ قرآن سے۔ اس کے جواز و وقوع پر علما کا اتفاق ہے۔ سوائے ابو مسلم اصفہانی کے جو فی نفسہٖ نسخ فی القرآن کے وقوع ہی کو عقلاً محال تصور کرتے ہیں۔ (ب) قرآن کا نسخ سنت سے۔ جمہور کے خیال میں سنت متواترہ قرآنی آیات کی ناسخ بن سکتی ہے امام شافعی اس کے عدم جواز کے قایل ہیں۔ شیخ عبد النبی نے نسخ الکتاب بالسنۃ کے قائلین و عدم قائلین دونوں کے دلائل سے بھی تعرض کیا ہے اور حنفی ہونے کی وجہ سے قائلین کے موقف کی پر زور حمایت کی ہے۔ قائلین کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت متواترہ کا مرتبہ قرآن کے برابر ہے۔ فرق صرف وحی متلو و غیر متلو کا ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے تھے یا حکم دیتے تھے وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق ہوتا تھا۔ عدم قائلین کی دلیل کا زور اس پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہر حال ایک انسان تھے اس لیے ایک انسان کے قول یا فرمان سے کلام الٰہی منسوخ نہیں ہو سکتا[۹۳] اس نقطہ نظر کی بنیاد اصلاً خود وہ آیت (مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا۔ بقرہ: ۱۰۶) ہے جس سے نسخ ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی آیت منسوخ کی جاتی ہے تو اس سے بہتر یا اس کے برابر دوسری آیت نازل ہوتی ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ سنت قرآن کے نہ تو مثل ہے اور نہ اس سے بہتر۔ یہاں یہ واضح رہے کہ شوافع کے علاوہ حنابلہ اور علماء اہل حدیث کے نزدیک بھی حدیث کسی آیت کی ناسخ نہیں بن سکتی[۹۴]۔ ہندوستانی علماء و مفسرین میں مولانا حمید الدین فراہی کا بھی یہی موقف تھا اور انھوں نے رسالہ الرسوخ فی الناسخ والمنسوخ کے علاوہ تفسیر نظام القرآن کے مقدمہ میں بھی نسخ کے اس پہلو پر تفصیل سے بحث کی ہے[۹۵]۔

(ج) سنت کا نسخ سنت سے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خبر متواتر خبر متواتر کو منسوخ کر سکتی ہے اور خبر واحد خبر واحد کی ناسخ بن سکتی ہے۔

(د) سنت کا نسخ قرآن سے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، اشاعرہ و معتزلہ بھی اس کے قایل ہیں نسخ کی دوسری اقسام کی طرح ان قسموں کی بحث کے ضمن میں بھی مصنف نے

ہر قسم کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔

دستور المفسرین کے مباحث کا دوسرا اہم حصہ قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں ناسخ و منسوخ آیات کی تفصیلات سے تعلق رکھتا ہے۔ ناسخ و منسوخ کے وقوع و عدم وقوع کے اعتبار سے مصنف نے قرآن کریم کی سورتوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق ۴۳ سورتیں ایسی ہیں جن میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں پایا جاتا۔ ۲۵ سورتیں ایسی ہیں جن میں ناسخ و منسوخ دونوں موجود ہیں۔ ۶ سورتوں میں صرف ناسخ آیات ملتی ہیں جب کہ ۴۰ سورتوں میں صرف منسوخ آیات ہی موجود ہیں۔ ان چار قسموں سے متعلق سورتوں کی تعداد کے باب میں مصنف نے علماء کے اختلاف کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثلاً بعض کے نزدیک قسم اول میں ۵۲ سورتیں شامل ہیں اور بعض کے خیال میں (۲۵ کے بجائے) ۳۱ سورتوں میں ناسخ و منسوخ دونوں قسم کی آیات پائی جاتی ہیں[46]۔ موخرالذکر خیال امام زرکشی نے پیش کیا ہے[47]۔ مصنف نے مذکورہ تقسیم کے تحت سورتوں کی جو تعداد لکھی ہے وہ ابن سلامہ بغدادی اور علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق ہے[48]۔

دستور المفسرین کے آخر میں مصنف نے قرآن کریم کی تمام سورتوں کا (ایک ایک کر کے) اس اعتبار سے جائزہ پیش کیا ہے کہ ان میں ناسخ و منسوخ موجود ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو کتنی آیتوں میں۔ یہ بحث کافی طویل ہے اور تقریباً ۵۰ اوراق میں پھیلی ہوئی ہے[49]۔ اس کے تحت ہر سورہ کو ذکر کرتے وقت پہلے انھوں نے اس کے مکی یا مدنی ہونے کی نشاندہی کی ہے اور اس کی آیات، کلمات اور حروف کی تعداد کی تعیین بھی کی ہے۔ جن سورتوں میں منسوخ آیت یا آیتیں پائی جاتی ہیں انھیں وہ ذکر کرتے ہیں اور ان کے وجوہِ نسخ سے بھی بحث کرتے ہیں۔ اگر کسی آیت کے نسخ کے سلسلہ میں علماء کے مابین اختلاف رائے ہے تو اسے بھی واضح کرتے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ کے باب میں دستور المفسرین میں یہ تفصیلات ملتی ہیں:

یہ سورہ ام الکتاب ہے یہ مکمل طور پر محکم ہے۔ اس میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں ہے اس میں ۷ آیات اور ۲۵ کلمات ہیں۔ اس کے مقام نزول کے بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ جمہور کی رائے میں یہ مکی ہے بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورہ

ہے اور مجاہد سے یہ قول مشہور ہے کہ یہ مدنی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اپنی عظمت و فضیلت کی وجہ سے یہ سورہ دو بار نازل ہوئی ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں۔ اس کے مقام نزول کے باب میں چوتھا قول یہ ہے کہ اس کا نصف حصہ مکہ میں اور نصف مدینہ میں نازل ہوا جیسا کہ امام ابو اللیث سمرقندی نے روایت کی ہے[۵۰]۔ اسی کے ساتھ منسوخ آیات والی ایک سورہ کا بیان بھی ملاحظہ ہو۔ سورہ محمد کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں: "یہ سورہ مدنی ہے۔ نسفی نے اس کے بارے میں یہ نادر قول نقل کیا ہے کہ یہ مکی ہے۔ اس سورہ کو سورۃ القتال بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں ۳۸ آیات اور ۵۳۷ کلمات ہیں۔ اس کے حروف کی تعداد ایک ہزار تین سو انچاس ہے۔ اس میں دو منسوخ آیتیں پائی جاتی ہیں۔ (اول) فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (محمد: ۴) اس کی ناسخ یہ آیت ہے: إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال: ۱۲) نیشاپوری[۵۱] میں اصحاب الرائے کا یہ قول منقول ہے کہ یہ آیت بھی منسوخ ہے۔ اس لیے کہ مشرکین و کفار کے ساتھ احسان یا فدیہ کا معاملہ صرف یوم بدر میں روا رکھا گیا تھا۔ اس کی ناسخ یہ آیت ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبۃ: ۵) (تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ)۔ مجاہد سے منقول ہے کہ (مشرکین و کفار کے ساتھ) اب مَنّ و فدا نہیں یا تو قبول اسلام ہے یا گردن زدنی۔ اس سورہ میں دوسری منسوخ آیت ہے: وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ (نمبر ۳۶) (اور وہ تمہارے مال تم سے نہ مانگے گا) اور اس کی ناسخ اسی کے بعد کی آیت ہے: إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ (نمبر ۳۷) (اور اگر وہ تمہارے مال تم سے مانگ لے اور سب کے سب تم سے طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے کھوٹ اکھاڑ لائے گا) بعض رسائل میں یہ مذکور ہے کہ اس سورہ میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں ہے[۵۲]"

یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ سورہ محمد کی مذکورہ دونوں آیتوں کے نسخ کے باب میں شیخ عبدالنبی نے ابن سلامہ و ابن جوزی اور دوسرے علماء سے اختلاف کیا ہے۔ شیخ عبدالنبی کے بقول سورہ محمد کی پہلی آیت منسوخہ (فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً) سورۃ الانفال کی

آیت نمبر ۱۲ (فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ) سے نسخ ہوئی جبکہ ابن سلامہ وابن جوزی اور نیشاپوری کی رائے میں اس کی ناسخ سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر ۵ (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ) ہے۔[۵۳] دوسری آیت (وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ) شیخ عبدالبنی کے خیال میں اسی کے بعد کی آیت (اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا) سے منسوخ ہوئی۔ ابن سلامہ کی رائے میں اس آیت کی ناسخ یہ آیت ہے: هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (محمد: ۳۸)۔[۵۴] (دیکھو تم لوگوں کو دعوت دی جارہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو)۔ ابن جوزی کے بیان کے مطابق بعض نے اس آیت کا ناسخ آیت زکوٰۃ کو قرار دیا ہے لیکن انھوں نے خود اس قول کو باطل قرار دیا ہے اور ان لوگوں پر بھی سخت تنقید کی ہے جو اس کا ناسخ اس کے بعد کی آیت کو تصور کرتے ہیں۔[۵۵]

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ نسخ فی القرآن کے مسئلہ پر دستور المفسرین میں بڑی اہم و مفید بحثیں پیش کی گئی ہیں۔ گرچہ اس موضوع پر عربی، فارسی و اردو میں متعدد کتابیں دستیاب ہیں لیکن جس طریقہ سے دستور المفسرین میں نسخ کے مختلف پہلوؤں سے تفصیلی بحث کی گئی ہے اور ہر پہلو سے متعلق علماء و مفسرین کی رائیں اور اختلافی مسائل میں ان کے نقطہائے نظر مع دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ کم ہی کتابوں میں ملتے ہیں۔ اسی کے ساتھ قرآن کریم کے بارے میں جو قیمتی ذیلی معلومات اس میں فراہم کی گئیں ہیں ان کی وجہ سے اس کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس اہمیت و افادیت کے پیش نظر دستور المفسرین اپنی تدوین واشاعت کے لیے بجا طور پر اہل علم و اصحاب خیر کی توجہ کی طالب ہے۔ یہ یقیناً علم قرآن کی ایک قابل قدر خدمت ہوگی۔

(ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (التوبۃ: ۱۲۰)۔ (یقیناً اللہ کے یہاں محسنوں کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا)

حواشی ومراجع

۱۔ ملاحظہ کریں: ششماہی علوم القرآن، ۱/۱، جولائی۔دسمبر ۱۹۸۵ء؛ ۱/۲، جنوری۔جون ۱۹۸۶ء؛ ۱/۳، جولائی۔دسمبر ۱۹۸۶ء، ۲/۱، جنوری۔جون ۱۹۸۶ء۔

۲۔ فہرست نگار (CATALOGUER) کی غلطی کی وجہ سے یہ مخطوطہ فن تفسیر کے بجائے تجوید کے تحت

درج ہے۔

[3] مثال کے طور پر ورق ۴۲ اصلاً ۴۱ ہے اور جس پر ۴۱ لکھا ہوا ہے وہ اصل میں ۴۵ ہے۔ اسی طرح ورق ۵۰ ورق ۷، (ماقبل آخری ورق) ہے۔

[4] ZUBAID AHMAD, THE CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITERATURE, DIKSHIT PRESS ALLAHABAD 1945, p.288,

[5] اس مخطوطہ کے آخر میں سن تصنیف اور پھر موجودہ نسخہ کی کتابت کا سن بھی درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ورق ۳، الف

[6] شطاری سلسلہ کے تعارف کے لیے ملاحظہ فرمائیں

S.A.A. RIZWI, A HISTORY OF SUFISM IN INDIA, NEW DELHI 1983 CHAPTER III: THE SHATTARIYYA SILSILA pp. 151-173 , K.A. NIZAMI SHATTARI SAINTS AND THEIR ATTITUDE TOWARD THE STATE. MEDIEVAL INDIA QUARTERLY VOL. 1 PT 2 (1950) pp. 56-70 AND J.SPANCER, TRIMINGHAM, SUFI-ORDER IN ISLAM, OXFORD, 1971, pp. 97-98.

[7] دستور المفسرین، مخطوطہ ذخیرہ فرنگی محلی (مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) ۱۸/۴۱، ورق ۲ ب

[8] شیخ عبد النبی کے مختصر حالات کے لیے دیکھیے، محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار (اردو ترجمہ) اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۳۹۵ھ، ص ۵۴۴، محمد عبد الحئی بن عبد الحلیم الانصاری اللکنوی، طرب الاماثل بتراجم الافاضل، مطبعہ یوسفی، لکھنؤ، ۱۳۲۰ھ، ص ۲۲۷۔ ۲۲۸، رحمان علی خاں، تذکرہ علمائے ہند، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۴ء ص ۱۳۴-۱۳۵، سید عبد الحئی الحسنی، نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۵۵ء، ۵/۲۶۱-۲۶۲، محمد سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۷۳ء، ص ۲۱۷-۲۱۸، محمد اسحاق، علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ، دہلی ۱۹۸۳ء، ص ۱۶۸،

[9] طرب الاماثل بتراجم الافاضل، ص ۲۲۷-۲۲۸

[10] رحمان علی خاں، ص ۱۳۴، محمد اسحاق، ص ۱۶۸،

[11] طرب الاماثل، ص ۲۲۷-۲۲۸، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۳۵، نزہۃ الخواطر، ص ۲۶۲

[12] دستور المفسرین، ورق ۳، الف

[13] محمد اسحاق، ص ۱۶۸

۱۴ طرب الاماثل، ۲۲۷-۲۲۸

۱۵ محمد سالم قدوائی، محولہ بالا، ص ۲۱۷، محمد اسحاق، ص ۱۶۵

۱۶ دستورالمفسرین، ورق ۳، الف

۱۷ دستورالمفسرین، اوراق ۳ب-۴ب

۱۸ دستورالمفسرین، اوراق ۴ الف-ب۔ عبدالرحیم خان خاناں (م ۱۶۲۶ء) کی علمی دلچسپیوں اور خدمات کے لیے ملاحظہ فرمائیں، عبدالباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، کلکتہ ۱۹۳۱ء، ۳/۱۵۳۸-۱۵۷۶، نظام الدین احمد بخشی، طبقات اکبری، کلکتہ، ۱۹۳۱ء، ۲/۴۲۶-۴۲۷ اور Dr. CHHOTU BHAI RANCHHODJI NAIK, ABDUR-RAHIM KHAN AND HIS LITERARY CIRCLE, GUJARAT UNIVERSITY, AHMADABAD 1966 pp. 228-462.

۱۹ دیکھئے فہرست مخطوطات فارسی، ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال (مرتبہ ایوانو) نمبر ۹۷۰، ص ۱۴۱۴

۲۰ رحمان علی خان، ص ۱۳۵، محمد عبدالحی، محولہ بالا، ص ۲۲۸

۲۱ اس منظوم رسالہ کے تعارف کے لیے ملاحظہ فرمائیں: محمد سالم قدوائی، محولہ بالا، ص ۲۷۴-۲۷۷

۲۲ مخطوط دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ۔ اس مخطوطہ کے تعارف کے لیے دیکھیے محمد اجمل اصلاحی، تصانیف فراہی کا غیر مطبوعہ سرمایہ، ششماہی علوم القرآن، ۵/۲ جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۰ء ص ۹۳-۹۴

۲۳ موازنہ کے لیے دستورالمفسرین کا ورق ۱۷ الف اور الاتقان فی علوم القرآن (مطبعہ حجازی قاہرہ ۱۳۶۸ھ) کا ص ۲۰۴ دیکھا جاسکتا ہے۔

۲۴ دستورالمفسرین، ورق ۳ الف

۲۵ ابن الجوزی کی بیان کردہ روایت کے مطابق کوفہ کی جامع مسجد میں وعظ کہنے والے (جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا) ابویحییٰ تھے (نواسخ القرآن، دارالکتب بیروت، ۱۹۸۵ء، ص ۳۱) ابن سلامہ کی نقل کردہ روایت میں اس کنیت کے بجائے نام (عبدالرحمن بن داب) کا ذکر ملتا ہے (الناسخ والمنسوخ، مطبوعہ ہندیہ ۱۳۱۵ھ ص ۵-۲)۔ مختلف طرق سے اس واقعہ کی روایت اور ان کے متن میں کچھ الفاظ کے اختلاف کے لیے ملاحظہ فرمائیں ابن الجوزی، محولہ بالا ص ۲۱-۳۱۔

۲۶ دستورالمفسرین، ورق ۳ الف

۲۷ دستورالمفسرین، اوراق ۵ ب-۱۶ الف

۲۸ھ ابو مسلم الاصفہانی، ملتقط جامع التاویل لمحکم التنزیل (مرتبہ سعید الانصاری) مطبعۃ البلاغ کلکتہ ۱۳۴۰ھ ص ۹-۱۰؛ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، دمشق ۱۹۶۲ء، ص ۲۹۸-۳۰۰۔

۲۹ھ نسخ فی القرآن سے متعلق تفصیلی مباحث اور علماء کی اختلافی آراء کے مطالعہ کے لیے دیکھئے امام سیوطی، محولہ بالا ص ۲۱-۲۶؛ محمد بن عبداللہ الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن، القاہرہ ۱۹۵۷ء، ۲/۳۲-۳۵؛ شاہ ولی اللہ الدہلوی، الفوز الکبیر، جیوتی پریس، کانپور (ب۔ت) ص ۲۱-۲۵، تقی عثمانی، علوم القرآن اور اصول تفسیر، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴۱۱ھ، ص ۱۵۹-۱۷۲، صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن محولہ بالا ص ۲۹۴-۳۰۰، ابراہیم عادل، نسخ فی القرآن کا مسئلہ، تحقیقات اسلامی، ۱۱/۳، جولائی۔ستمبر ۱۹۹۲ء، ص ۶۸-۱۰۷

۳۰ھ محمد سالم قدوائی، محولہ بالا ص ۲۲۳۔

۳۱ھ دستور المفسرین، اوراق ۶ الف۔ب

۳۲ھ البرہان فی علوم القرآن، ص ۳۵

۳۳ھ "اِنْساء" کے معنی بھلا دینے یا ذہنوں سے فراموش کرا دینے کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی حکم کا عبارت سمیت اٹھا لینا یا کسی آیت کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ذہنوں سے فراموش کرا دینے کے تاکہ اس پر عمل موقوف ہو جائے۔ اس طرح اسے نسخ کی قسم "منسوخ التلاوہ والحکم" کے زمرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ" کے سیاق میں "انساء" پر ایک اچھی بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں ابراہیم عادل، نسخ فی القرآن کا مسئلہ، محولہ بالا ص ۸۰-۸۳۔

۳۴ھ دستور المفسرین، اوراق ۷ب-۸ الف

۳۵ھ حوالہ مذکور، ورق ۸ الف

۳۶ھ دستور المفسرین، اوراق ۱۴ الف-۱۴ب، ۱۸ب

۳۷ھ ابن سلامہ، ص ۱۴، امام زرکشی، ص ۳۷

۳۸ھ امام سیوطی، محولہ بالا، ص ۲۳

۳۹ھ تفصیل کے لیے دیکھئے صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص ۳۰۱-۳۰۲

(اردو ترجمہ: علوم القرآن از غلام احمد حریری تاج کمپنی نئی دہلی ۱۹۸۶ء، ص ۳۷۶-۳۷۸) محمد حنیف ندوی، مطالعۂ قرآن، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۲۵۲-۲۵۷۔

۴۰؎ دستور المفسرین، ورق ۱۰، الف

۴۱؎ الاتقان فی علوم القرآن، ص ۲۶

۴۲؎ دستور المفسرین، اوراق ۸ الف - ۱۰ الف

۴۳؎ دستور المفسرین، اوراق ۱۲ الف - ۱۲ ب

۴۴؎ نسخ الکتاب بالسنۃ کے موضوع پر مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں: امام سیوطی، ص ۲۱ ابن الجوزی، ص ۲۵-۲۶، محمد وصی فراہی، قرآن وسنت اور نسخ، سالانہ مجلہ انجمن طلبہ مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ) شمارہ نمبر ۵، ۱۹۹۲ء، ص ۳۱-۴۰

۴۵؎ حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن (اردو ترجمہ: امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، ۱۹۹۰ء، ص ۲۵، ۴۱، محمد اجمل اصلاحی، محولہ بالا مقالہ، علوم القرآن ۵/۲ جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۰ء، ص ۹۳-۹۴

۴۶؎ دستور المفسرین، اوراق ۱۲ الف - ۱۲ ب

۴۷؎ البرہان فی علوم القرآن، ص ۳۲

۴۸؎ الناسخ والمنسوخ، ص ۱۳-۱۸، الاتقان فی علوم القرآن، ص ۲۱

۴۹؎ دستور المفسرین، اوراق ۲۴ الف - ۳۰، الف

۵۰؎ دستور المفسرین، ورق ۲۴ الف

۵۱؎ یہ غالباً ابو القاسم محمد بن حبیب النیشاپوری (م ۴۰۶ھ) ہیں۔ نسخ اور دیگر مباحث سے متعلق ان کے اقوال (ان کی تفسیر کے حوالے سے) علامہ سیوطی، امام زرکشی اور دوسرے مصنفین نے نقل کیے ہیں۔ لیکن ان کی تفسیر کہیں دستیاب نہ ہو سکی کہ اس سے موازنہ کیا جا سکے۔ دیکھیے الاتقان، ص ۲۱، البرہان فی علوم القرآن، ۲/۳۱، مباحث فی علوم القرآن، ص ۱۸۶

۵۲؎ دستور المفسرین، ورق ۶۶ الف

۵۳؎ ابن سلامہ، ص ۸۱-۲، ابن الجوزی، ص ۲۲۸-۲۲۹

۵۴؎ ابن سلامہ، ص ۲۸۹ ۵۵؎ ابن الجوزی، ص ۲۲۹